مجاہدِ اعظم

حصہ اول

شاکر حسین امروہوی

maablib.org

[illegible]
کراچی

مجاہدِ اعظم

حصّہ اوّل

تحقیقات صحیح و سوانح مستند حضرت سید الشہدا امام الثقلین امام حسینؑ

اور

مکمل حالات و اسباب واقعہ ہائلہ کربلا

مصنفہ

مؤرخِ نامور و محقق بے بدل

حضرت مولوی سید شاکر حسین صاحب نقوی امروہوی

ناشرین

کارکنان اردو ادبستان جے پور

مطبوعہ [illegible] پریس دہلی

قیمت چار روپے

ہوتی تو حضرت ان کا عقد حسن مثنیٰ کے ساتھ کیسے کر دیتے۔ پھر ایک شوہر کی موجودگی میں دوسرا عقد کیسا کس قدر حیرت افزا اور افسوسناک بات ہے کہ پڑھنے والے اور اس کی تائید کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس توہین آمیز افترا کا ذکر (نظماً یا نثراً) گستاخی اور بے ادبی کی کس حد تک پہنچا ہوا ہے، اس کے علاوہ یہ امر بھی کس قدر قابل افسوس ہے کہ اس واجب الاحترام طبقہ نے جس کو مداحیٔ اہل بیت کا فخر حاصل تھا اس کے تلخ اور زہر آلود نتائج پر غور کئے۔ بغیر اپنی پُرزور اور موثر اور دلآویز نظم کے جادو سے عالم اور جاہل بوڑھے اور بچے مرد اور عورت سب کو ایسا مسحور کیا کہ اس بے بنیاد اور بے اصل قصہ کو سُنتے سُنتے ان کے دل و دماغ میں حق الیقین سے بھی بڑھ کر درجہ حاصل ہو گیا، لطف یہ کہ جب اس کی ابطال و تردید کی جاتی ہے تو براہ کج بحثی یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کیا میر انیس جاہل تھے یا میرزا دبیر کو اتنی بھی خبر نہیں تھی وغیرہ ذالک بلکہ بعض اوقات اس حد سے بھی تجاوز ہوتا ہے جس کی تائید ذیل کے واقعہ سے جو میں نے ایک ثقہ شیعہ بزرگوار کی زبان سے سُنا ہے ہوتی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب اعلی اللہ مقامہ کے مکان پر لکھنؤ میں مجلس عزا تھی نواب محمد حسین خاں لکھنؤ کے ایک سربرآوردہ امیر جو میر مونس کے شاگرد تھے وہ بھی شریکِ مجلس تھے۔ سید ابو صاحب نے سید محمد جواد سے جو ایک مقتدا بزرگوار تھے ہدایت کر دی تھی کہ آج آپ ممبر پر جا کر پڑھیں اور اثناء ذکر میں قصۂ عروسی کا ابطال نرم اور مناسب الفاظ میں کر دیں۔ سید محمد جواد نے سید ابو صاحب کے حکم کی تعمیل کی اور ممبر پر جا کر اس روایت کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس توہین آمیز روایت کا ذکر کرنا قبالۂ جہنم ہے ان کا اتنا کہنا تھا کہ نواب محمد حسین خاں نے ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی ان کو ممبر سے گھسیٹ لیا، اور بھرے مجمع میں سخت و سست الفاظ کہے۔ یہ کیوں! صرف اس وجہ سے کہ نواب محمد حسین خاں کے استاد نے اپنے

مستند مرثیوں میں اس موضوع روایت کو پڑھیئے، آب و تاب سے نظم کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ساتویں محرم کو مہندی کے متعلق خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے بفرض محال اگر وصیت کا اظہار اور اس پر عمل ہوا بھی تو دسویں کو قریب دوپہر ہوا، ساتویں کو مہندی چہ معنی دارد اس کے علاوہ یہ رسمیں مہندی سانچی وغیرہ وغیرہ ہندستان کے مسلمانوں نے اپنی ہمسایہ قوموں سے لی ہیں۔ عرب میں جہاں اب بھی یہ باتیں نہیں آج سے تیرہ سو برس پہلے ہونا کس قدر بعید از عقل بالتخصیص ہندوؤں کی ایک رسم کو خاندانِ رسالت کی طرف منسوب کرنا مسلمانوں کے لئے کس قدر شرمناک اور لایعنی حرکت ہے۔

حضرت قاسم کے واقعات میں قصۂ عروسی کی طرح ارزق شامی اور اس کے چار بیٹوں کی معرکہ آرائی نہایت مشہور اور دلچسپ ہے جس کو شعرائے ہند نے بڑے آب و تاب اور دلکش پیرائے سے نظم کیا ہے لیکن تاریخ کی تمام قدیم اور مستند کتابیں اس واقعہ کے بیان کرنے سے قطعاً خالی ہیں۔ داستانِ عروسی کی طرح ارزق کی جنگ بھی روضۃ الشہداء جیسی کتابوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ ملائے کاشفی نے اپنی عادت کے موافق اس لڑائی کو کسی سند یا حوالے سے نہیں لکھا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کو بھی قصۂ عروسی کی طرح بے اصل و موضوع نہ مانا جائے۔ روایتاً کوئی سند نہ ہونے کے علاوہ درایتاً بھی اس کی صحت مشکوک و ناقابلِ اعتبار ہے، کیونکہ اس معرکہ میں سوائے عراقیوں کے ایک بھی شامی یا حجازی شریک نہ تھا۔

ابو مخنف لوط ابن یحییٰ ازدی جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بمقام کوفہ موجود تھے اپنے مقتل میں صاف لکھ رہے ہیں: "فتکمر العسکر ثمانون الف فارس من اھل الکوفۃ لیس منھم شامی ولا حجازی۔"

(۱۰) یہ امر بھی تنقیح طلب ہے کہ علی اکبر کون تھے سید سجاد یا علی الشہید حضرت زینبؑ

maablib.org

کا شہادتِ علی اکبر کے وقت خیمہ سے نکل آنا قصۂ دخترِ بادشاہِ حلب علی اکبر کی بابت عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وہ حضرت سید الشہدا کے منجھلے صاحبزادے ہیں اور شہادت کے وقت ان کی عمر اٹھارہ برس سے زائد نہ تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس تحقیق کی بابت علما اور مورخین مختلف الخیال اور مختلف البیان ہیں بعض کہتے ہیں کہ علی الشہید ہی علی اکبر ہیں بعض کا خیال ہے کہ سید سجاد علی اکبر اور علی الشہید علی اوسط ہیں۔ مگر ہمارے اجتہاد اور تحقیق میں پہلی رائے صحیح اور درست ہے اس کے متعلق ہم اس کتاب کے دوسرے حصہ میں کسی قدر تفصیل سے بحث کریں گے انشاء اللہ۔ البتہ مختصراً اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ گو کتاب ارشاد اور شرح الاخبار وغیرہ میں سید الساجدین کو علی اکبر اور علی الشہید کو علی اوسط بیان کیا گیا ہے لیکن دوسرے تمام مشہور و معتبر مورخ اور نساب برخلاف ازیں اسی قول کی تائید کرتے ہیں کہ علی الشہید ہی جناب سید الشہدا کے خلفِ اکبر تھے۔ نہ کہ سید الساجدین چنانچہ ابن قتیبہ دینوری معارف میں محمد بن جریر طبری ذیل المذیل میں ابو بکر بن ثلج تاریخ اہل بیت میں ابن الاخضر جنابذی معالم العترہ میں۔ محمد ابن طلحہ شافعی مطالب السئول میں سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ میں محب طبری ذخائر العقبیٰ میں خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں جمال الدین حسینی عمدۃ المطالب میں یحییٰ بن ابی بکر ریاض مستطابہ میں احمد بن عبد القادر عجیلی ذخیرۃ المآل میں محمد بن صبان مصری اسعاف الراغبین میں سلیمان بن ابراہیم قندوزی ینابیع المودۃ میں سید مومن شبلنجی نور الابصار میں ملا محمد مبین لکھنوی وسیلۃ النجات میں اور ابن شہر آشوب مناقب میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو علی اکبر کی عمر شہادت کے وقت اٹھارہ سال کی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سید الساجدین کا سن شریف اس وقت ۲۲ سال آٹھ مہینہ کا تھا علی اکبر آپ سے بڑے ہیں تو جیسا کہ بعض نے ۲۸ سال یا ابن شہر آشوب نے پچیس سال کی

عمر لکھی ہے اس کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

مرثیہ گو حضرات کی بدولت عموماً لوگوں کے یہ بھی ذہن نشین ہو گیا ہے کہ حضرت علی اکبر کی شہادت کے وقت جناب زینب بیتاب ہو کر خیمہ سے نکل آئی تھیں لیکن حرم سرا سے اس طرح باہر نکل آنا کہ نامحرموں کی نظر پڑ سکے۔ دخترِ سیدۃ النساء کی شانِ رفیع سے کیا بعید بلکہ ایسا خیال اور ایسا ذکر ان مخدرہ کی توہین ہے ہم آئندہ ایک موقعہ پر اس کے متعلق کسی قدر تفصیل سے بحث کرینگے۔

جناب علی اکبر کے واقعات میں بادشاہ حلب کی بیٹی کا قصہ بھی نہایت مشہور ہے جس کو روضہ خواں بڑی شد و مد سے بیان کیا کرتے ہیں کہ آپ کے حسن و جمال کا شہرہ سُن کر بادشاہ حلب نے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہا تھا لیکن وہ اور اس کی بیٹی اس وقت کربلا میں پہنچے کہ جب آپ شہید ہو چکے تھے مگر اس داستانِ بے اصل کی لغویت محتاجِ تشریح نہیں اور اس پر وہی یقین کر سکتا ہے جو علم تاریخ سے ناآشنائے محض ہے۔ حلب نہ کسی مستقل حکومت و سلطنت کا پایۂ تخت تھا نہ وہاں کوئی خاندان برسر حکومت تھا حلب کی چھوٹی سی سلطنت ولادت مسیح سے ۳۴ برس مارک انٹونی کے ہاتھوں جو رومۃ الکبریٰ کا مشہور سپہ سالار اور رکن اعظم تھا برباد ہو چکی تھی اس زمانہ سے یہ علاقہ بھی روم کی وسیع شاہنشاہی کا ایک حصہ تھا۔ جب اس عظیم الشان سلطنت کے دو حصے ہو کر شہر قسطنطنیہ ایسٹرن رومن ایمپائر کا دار الخلافہ ہوا تو تمام مشرقی صوبے قیصر قسطنطنیہ کے حصہ میں آئے یہاں تک کہ سنہ ۱۶ ہجری مطابق سنہ ۶۳۷ء میں تمام شاہی علاقے مع حلب کے مسلمانوں نے فتح کر لئے اور اب یہ سب ملک امیر معاویہ کے بعد یزید کے زیر حکومت تھے جب وہاں کوئی سلطنت ہی نہ تھی بلکہ اس پر خاندان بنی امیہ کا ایک عامل حکومت کر رہا تھا تو حلب کا کوئی بادشاہ ہوتا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے اس لئے یہ قصہ محض بے وجود